AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کہانی اور علامتیت: اردو افسانے میں بیانیہ کی جمالیات اور معنویت (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

STORY AND SYMBOLISM: THE AESTHETICS AND MEANING OF NARRATIVE IN URDU FICTION (RESEARCH AND CRITICAL REVIEW)

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو / انٹرنیشنل ریلیشنز
منہاج یونیورسٹی، لاہور
Email: assadphdir@gmail.com

Abstract:

The emergence of modernism after the progressive movement significantly transformed Urdu fiction, introducing new themes and narrative techniques. A key development in this period was the use of symbolism, which became a central feature in the storytelling process. Symbolism allows for deeper layers of meaning beyond literal representations, enriching the narrative and providing space for varied interpretations. In Urdu fiction, symbols were used to explore complex emotional, psychological, and social issues, allowing writers to communicate nuances of human experience subtly and effectively. Rather than focusing on direct and simplistic representations, symbols in these stories invited readers to engage in a more reflective and interpretative reading, offering multiple meanings depending on the context. This paper offers a critical analysis of how the aesthetic beauty and significance of Urdu short stories were reshaped through symbolism, analyzing its impact on the narrative structure. The study explores how symbols helped break away from traditional storytelling techniques, adding depth and complexity. Through the use of symbolism, the modern Urdu short story not only expanded its thematic range but also provided a means for subtle critiques of societal norms and individual consciousness. In this way, symbolism became a powerful tool in reshaping the narrative and thematic fabric of Urdu fiction.

Key Words: Symbolism, Narrative, Urdu fiction, Modernism, Progressive movement, Emotional depth, Social critique

(مُلَخَّص)

ترقی پسند تحریک کے بعد جدیدیت نے اردو افسانے کو ایک نئی سمت دی، جس میں نئے موضوعات اور بیانیہ کے تکنیکی آلے متعارف ہوئے۔ اس دور میں ایک اہم تبدیلی علامت کے استعمال میں ہوئی، جس نے کہانی کی سطح سے آگے بڑھ کر گہرے مفاہیم کا دروازہ کھولا۔ علامتیت نے افسانے کے بیانیہ میں جمالیاتی خوبصورتی اور معنویت کا اضافہ کیا، جس نے کہانی کو سادہ اور براہ راست پیش کرنے سے گریز کیا اور اسے پیچیدہ اور متنوع معانی کی طرف مائل کیا۔ اردو افسانے میں علامت کا استعمال نہ صرف سماجی، نفسیاتی اور ثقافتی موضوعات کی عکاسی کرتا ہے، بلکہ یہ انسانی تجربات کی گہرائی اور پیچیدگی کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس تحقیق میں ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح علامت اردو افسانے میں بیانیہ کی ساخت اور جمالیاتی قدر کو بدل کر کہانی کو ایک نیا رنگ دیتی ہے۔ علامت کے ذریعے افسانہ نگاروں نے معاشرتی، نفسیاتی اور ذاتی سطح پر دبے ہوئے مسائل اور احساسات کو ظاہر کیا۔ علامت نے روایتی کہانی نگاری کے قالب کو توڑا اور اس میں تنوع پیدا کیا، جو کہ کہانی کی معنویت اور افادیت میں اضافے کا باعث بن گیا۔

کلیدی الفاظ: علامت، بیانیہ، اردو افسانہ، جدیدیت، ترقی پسند تحریک، جذباتی گہرائی، سماجی تنقید

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

(1)

اردو ادب کی فکری تاریخ میں ترقی پسند تحریک کو ایک ایسی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے جس نے ادب کو سماجی شعور، طبقاتی شعور اور انسانی مسائل کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے اپنے قلم کو استبداد، غربت، جاگیرداری، سرمایہ دارانہ نظام اور صنفی عدم مساوات کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور راجندر سنگھ بیدی جیسے ادیبوں نے زندگی کی حقیقتوں کو بے نقاب کیا۔ لیکن وقت کے ساتھ اس تحریک میں ایک خاص قسم کی نظریاتی شدت، نعرہ بازی اور یک رخی پیدا ہو گئی، جو کہ افسانوی فضا کو محدود کرنے لگی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے اردو افسانہ جدیدیت کی جانب مائل ہوا۔ جدیدیت کا ظہور محض ایک ادبی اسلوب نہیں بلکہ ایک فکری بیداری تھی۔ اس نے فنکار کو محض معاشرتی حقیقتوں کے بیان تک محدود رکھنے کے بجائے داخلی کرب، تنہائی، وجودی سوالات، شناخت کے بحران اور تہذیبی زوال جیسے مسائل کی طرف مائل کیا۔ اس فکری تبدیلی نے اردو افسانے کو نیا افق دیا۔ اب کہانی محض واقعہ یا پیغام نہیں رہی، بلکہ ایک تخلیقی تجربہ، ایک جمالیاتی دریافت اور ایک علامتی رمز بن گئی۔ اس رجحان نے فن اور خیال کے درمیان توازن پیدا کیا۔ افسانہ نگاروں نے محسوس کیا کہ نئے مسائل کے بیان کے لیے نئے اسلوب کی ضرورت ہے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب "علامت" ایک طاقتور تخلیقی وسیلہ بن کر اردو افسانے میں داخل ہوئی، اور اس نے روایت شکنی کے ذریعے کہانی کو نئی معنویت عطا کی۔

گوپی چند نارنگ (1)، "نیا افسانہ: علامت، تمثیل اور کہانی کا جوہر" میں رقمطراز ہیں:

> "نیا افسانہ صرف ایک انحراف نہیں تھا، بلکہ یہ نئے تجربات اور تبدیلی کے لمحوں کا نتیجہ تھا۔ افسانہ نگار ایک نئے طرز فکر، احساس اور اظہار کے تحت نئے مسائل سے نمٹ رہے تھے۔ ان کے اندر ایک نامعلوم درد اور جوش کی لہر تھی جس کے سبب ان کے افسانے کی شکل اور معنویت میں نیا پن آ رہا تھا، گویا وہ روایتی حدود سے آزاد ہو کر نئی سمت میں بہنے لگے تھے۔"

چیخوف (2) افسانے کی نئی صورتوں کو یوں بیان کرتا ہے:

> "افسانہ انسانی حالتِ زار کی دریافت کا بہترین ذریعہ ہے، جو چند صفحات میں اس کی پیچیدگی کو قید کر لیتا ہے۔ اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ یہ پورے زندگی کے لمحوں کو ایک مختصر وقت میں سمودھ لے، ذہن کے اندرونی کاموں اور ان پوشیدہ جذبات کو ظاہر کرتا ہے جو انسان کے رویوں کو چلانے کا سبب بنتے ہیں۔"

وقار عظیم (3)، "زندگی کا پس منظر" میں رقم طراز ہیں:

> "نیا افسانہ ایک گہری اور پیچیدہ پس منظر میں جنم لیا۔ اس میں مغرب کے فن کی لطافت اور گہرائی کا اثر ہے، جبکہ مشرق کی زندگی کی وسعت اور تنوع کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے افسانہ نگاروں نے مغربی ادب سے مختلف نظریات اور اسلوب کو اپنایا اور انہیں مشرقی ثقافت کی روشنی میں ڈھالا۔ انہوں نے زندگی کے نئے پہلوؤں کو اجاگر کیا، جن میں اشارے اور کنایے، خیالات کا بامعنی اظہار اور اثر انگیز طرزِ بیان شامل تھے، جو افسانے کو نہ صرف گہرائی دیتے ہیں بلکہ قارئین پر دیرپا اثر بھی قائم کرتے ہیں۔"

علامت ایک ایسا فنی آلہ ہے جس کے ذریعے افسانہ نگار اپنے افسانے کی معنویت کو بڑھاتے ہیں۔ علامت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کسی بھی لفظ یا شے کو اس کے اصل معنی سے ہٹ کر ایک زیادہ پیچیدہ اور گہرا مفہوم عطا کرتی ہے۔ یہ کسی حقیقت یا خیال کا نمائندہ ہوتی ہے، جو براہ راست ظاہر ہونے کے بجائے ایک تجریدی اور علامتی انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ اردو افسانے میں علامت کا استعمال ایک نیا فن بن گیا جس کی مدد سے افسانہ نگار اپنے موضوعات کو زیادہ پیچیدہ اور گہرا طریقے سے بیان کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس دوران، افسانہ نگاروں نے علامت کو اپنے افسانے کے بیانیے کی ساخت میں ایک ایسا اضافی جزو بنایا جس کے ذریعے وہ اپنے موضوعات کو زیادہ تخلیقی اور جامع طریقے سے بیان کر پائے۔ اردو ادب میں علامت کا استعمال اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ افسانہ اب محض ایک سادہ کہانی نہیں رہا، بلکہ وہ ایک نیا زاویہ اختیار کر چکا ہے جس میں کہانی کے پیچھے مختلف گہری معنوں کا ایک طویل سلسلہ چھپ جاتا ہے۔ اس طرح علامت کی مدد سے، اردو افسانے نے روایتی حقیقت پسندی کو توڑا

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

اور افسانے میں ایک نیا تخلیقی رخ اختیار کیا، جس نے قاری کو ہر کہانی میں نئے زاویوں سے جڑنے اور اس کے مختلف معنوں کو دریافت کرنے کی دعوت دی۔ اردو افسانے میں علامت نگاری نے محض ایک تکنیکی ہنر کے طور پر نہیں بلکہ ایک گہری فکری حکمت عملی کے طور پر جنم لیا۔

علامت وہ پیرایۂ اظہار ہے جو کسی شے یا تصور کو اس کی اصل حقیقت کے بجائے ایک دوسرے خیال، جذبے یا تجربے کے نمائندہ کے طور پر پیش کرتی ہے۔ علامت نہ صرف مفہوم کو چھپا کر پیش کرتی ہے بلکہ قاری کو متحرک کرتی ہے کہ وہ متن کے نیچے پوشیدہ معنوں کو تلاش کرے۔ اس عمل میں قاری ایک محض سامع نہیں رہتا بلکہ خود معنی تراشتا ہے، جس سے افسانے کا تجربہ زیادہ ذاتی اور گہرا ہو جاتا ہے۔ علامتی افسانہ قاری سے صرف توجہ نہیں بلکہ فکری شرکت بھی طلب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامت نگاری نے اردو افسانے کو محض تخلیقی اظہار نہیں بلکہ فکری جستجو کا ایک وسیلہ بنا دیا۔ اب افسانہ صرف سننے یا پڑھنے کی چیز نہیں، بلکہ سمجھنے، سوچنے اور محسوس کرنے کا تجربہ بن چکا ہے۔

شمیم احمد (4) کے نقطۂ نظر کے مطابق، بلند پایہ ادب کبھی بھی علامتی ساخت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، جبھی وہ لکھتے ہیں:

> "اعلیٰ ادبی تخلیقات میں حقیقت کی نمائندگی کم اور تخیلاتی قوت کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔ جب تک تخیل انسانی شعور میں ایک ہمہ گیر اور مکمل تجربے کی صورت اختیار نہ کر لے، اُس وقت تک سوچ اور عمل کی ہم آہنگی ممکن نہیں ہو پاتی۔ اور جب تک یہ ہم آہنگی میسر نہ ہو، کوئی بھی سماج یا قوم، داخلی احساسات یا گہرے معانی کی نمائندگی کرنے والی کوئی علامت تخلیق کرنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔"

آرنسٹ ہیمنگوے (5) رقم طراز ہیں:

> "ایک علامت ہمیشہ وہ کچھ چھپاتی ہے جو وہ ظاہر کرتی ہے۔ یہ قاری کے لیے ایک دروازہ کھولتی ہے جس سے وہ ان گہرے نفسیاتی یا ثقافتی سچائیوں تک پہنچ سکتا ہے جو لفظی زبان میں ممکن نہیں۔"

اردو افسانے میں علامت کے اس استعمال نے جدیدیت کی اس تخلیقی تحریک کو مزید مستحکم کیا، جہاں کہانی کے اسلوب اور بیانیہ میں نہ صرف تنوع آیا بلکہ افسانے میں معنویت کی کئی نئی جہتیں بھی پیدا ہوئیں۔ علامت کو ایک فنی ہنر کے طور پر اپنانا، افسانہ نگاروں کے لیے اپنے موضوعات کو زیادہ وسیع، پیچیدہ اور گہرے انداز میں پیش کرنے کا ایک طریقہ بن گیا۔ اس نے افسانے میں موجود سماجی، سیاسی اور نفسیاتی مسائل کی پیچیدگی کو اجاگر کیا۔ روایتی افسانے میں جو سادگی اور سطحیت نظر آتی تھی، جدید افسانوں میں وہ زیادہ گہری اور پیچیدہ ہو گئی۔ اب افسانہ ایک سطحی بیان سے بڑھ کر، ایک تجزیاتی اور فکری عمل بن چکا تھا، جس میں علامت کے ذریعے افسانہ نگار نہ صرف معاشرتی مسائل کو بلکہ فرد کی اندرونی کشمکش اور نفسیاتی تضادات کو بھی بیان کرتے تھے۔ اس طرح اردو افسانے میں علامت کا استعمال نہ صرف کہانی کے مواد کو وسیع کرتا ہے بلکہ اس کے بیانیے کو بھی گہرا اور پیچیدہ بناتا ہے۔ علامت کے ذریعے، افسانہ ایک نیا طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں کہانی کی معنویت کئی جہتوں میں بٹ کر قاری تک پہنچتی ہے، اور اسے نئے امکانات کی تلاش میں لگا دیتی ہے۔ اس طرح جدیدیت کی اس تحریک نے اردو افسانے کو ایک نئی فکری اور جمالیاتی بنیاد فراہم کی جس میں علامت ایک اہم جزو کے طور پر ابھری۔

(2)

افسانہ نگاری میں علامتی نظام ایک ایسا فنکارانہ ذریعہ ہے جو کہانی کو سطحی معنویت سے بلند کر کے اسے گہرائی اور وسعت عطا کرتا ہے۔ علامتی نظام کی تعریف کے لیے اگر سادہ الفاظ میں کہا جائے تو یہ ایک ایسا ڈھانچہ ہے جہاں کہانی کے کردار، واقعات، مقامات، یا دیگر عناصر صرف اپنے ظاہری مفہوم تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کے اندر ایک دوسرا، گہرا اور پوشیدہ مفہوم بھی پنہاں ہوتا ہے۔ یہ دہری معنویت علامتی نظام کی بنیاد ہے، جس کے ذریعے قاری کو کہانی کے ساتھ ایک نفسیاتی اور فکری رشتہ قائم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ علامتی نظام کی تشکیل اس وقت ہوتی ہے جب افسانے کا ہر جزو دو سطحوں پر کام کرتا ہے: ایک سطح وہ جو فوری طور پر نظر آتی ہے، جیسے کوئی کردار، واقعہ، یا منظر۔ دوسری سطح وہ ہے جو ان عناصر کے پیچھے چھپی ہوئی ہوتی ہے، جیسے کوئی سماجی مسئلہ، نفسیاتی کشمکش، یا فلسفیانہ تصور۔ مثال کے طور پر، اگر ایک افسانے میں "اندھیرا" بار بار استعمال ہو رہا ہو تو یہ محض ماحول کی تاریکی نہیں، بلکہ سماج میں پھیلی ہوئی جہالت، ظلم، یا مایوسی کی علامت بن سکتا ہے۔ اسی طرح، اگر کہانی کا مرکزی

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کردار ایک پرندہ ہو جو پنجرے سے آزادی کی کوشش کر رہا ہو، تو یہ صرف ایک جانور کی کہانی نہیں، بلکہ انسان کی ذہنی غلامی یا سماجی پابندیوں کے خلاف جدوجہد کی عکاسی بھی ہو سکتی ہے۔

علامتیں بنیادی طور پر دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی قسم وہ علامتیں ہیں جو فہم و ادراک کی سطح پر عام ہوں اور جن کے دوسرے معنی سے ادبی حلقے پہلے سے واقف ہوں۔ انہیں "عمومی علامتیں" کہا جاتا ہے۔ مثلاً، سرخ رنگ عام طور پر محبت، انقلاب، یا خطرے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح، مشرق روشنی اور امید کی طرف اشارہ کرتا ہے، جبکہ مغرب تنہائی یا موت کی طرف۔ ان علامتوں کو سمجھنے کے لیے قاری کو افسانہ نگار کی طرف سے کسی خاص وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ معاشرتی یا ثقافتی طور پر تسلیم شدہ ہوتی ہیں۔ دوسری قسم کی علامتیں وہ ہیں جو افسانہ نگار کی ذاتی اختراع ہوتی ہیں۔ یہ علامتیں مصنف کے ذہنی تجربات، مشاہدات، یا تخیل کا نتیجہ ہوتی ہیں، اور انہیں سمجھنے کے لیے قاری کو کہانی کے سیاق و سباق میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی مصنف "درخت" کو خاموشی کی علامت کے طور پر پیش کرے، تو یہ عام علامت نہیں، بلکہ مصنف کا اپنا تصور ہے۔ ایسی صورت میں افسانہ نگار کو کہانی کے پلاٹ، تھیم، یا پس منظر کے ذریعے اس علامت کو منطقی بنانا ہوتا ہے۔ مثلاً، اگر کہانی میں درخت کے نیچے بیٹھنے والے کردار کو خاموشی پسند ہو، یا درخت کا تعلق کسی خاموش واقعے سے ہو، تو قاری اس ربط کو سمجھ سکتا ہے۔ ذاتی علامتوں کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کہانی کے اندر انہیں کتنی مہارت سے پروتا ہے۔ اگر علامت کو کہانی کے واقعات، کرداروں، یا ماحول سے جوڑا نہ جائے، تو وہ بے معنی اور پراسرار لگنے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر ایک مصنف "پانی" کو موت کی علامت بنانا چاہے، تو اسے کہانی میں ایسے واقعات یا مکالمے شامل کرنے ہوں گے جو اس رشتے کو واضح کریں۔ شاید کہانی کا کوئی کردار پانی سے ڈرتا ہو، یا ماضی میں کسی حادثے کا شکار ہوا ہو۔ اس طرح، علامت اور کہانی کا داخلی منطق ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

عبدالقادر سروری(6) رقمطراز ہیں:

> "افسانے میں علامت نگاری ابہام پیدا کرنے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک گہری بازگشت ہے جو متن کے ظاہر سے آگے جا کر اس کے معنوں کو وسعت دیتی ہے۔"

مظہر الزماں خان(7) لکھتے ہیں:

> "علامت محض ایک لفظ یا شبیہ نہیں، بلکہ ایک جہانِ معنی ہے جو بظاہر خاموش ہوتا ہے مگر قاری کی فکر سے مکالمہ کرتا ہے۔ اردو افسانے میں علامت وہ دروازہ ہے جو حقیقت اور خیال کے درمیان کھلتا ہے۔"

افسانے میں علامتی نظام دراصل مصنف اور قاری کے درمیان ایک خاموش مکالمہ ہے، جس میں کہانی کے عناصر اشاروں اور کنایوں کے ذریعے گہرے مفاہیم تک رسائی دیتے ہیں۔ یہ نظام کہانی کو ایک آرٹ کی شکل دیتا ہے، جہاں لفظوں کے پیچھے لفظ، اور معنی کے پیچھے معنی چھپے ہوتے ہیں۔ تاہم، علامتی نظام کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مصنف کس طرح عمومی اور ذاتی علامتوں کو ہم آہنگ کرتا ہے، اور کہانی کے داخلی منطق کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں قابل فہم بناتا ہے۔ اگر یہ توازن قائم ہو جائے تو علامتی افسانہ قاری کے ذہن پر ایک انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ علامتی نظام کی سب سے بڑی ناکامی تب ہوتی ہے جب مصنف علامتوں کو منطقی جواز یا واضح تعلق کے بغیر استعمال کر دے۔ ایسے افسانوں میں قاری الجھن کا شکار ہو جاتا ہے، کیونکہ علامتیں نہ تو عمومی ہوتی ہیں اور نہ ہی کہانی کے سیاق میں ان کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر ایک افسانے میں "آگ" کو اچانک محبت کی علامت بنا دیا جائے، لیکن کہانی میں کہیں بھی اس رشتے کی وضاحت نہ ہو، تو یہ علامت غیر موثر ہو جاتی ہے۔ قاری اسے مصنف کی من مانی سمجھتا ہے، جس سے افسانے کا ابلاغی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

(3)

اردو افسانہ نگاری میں علامت نگاری نے اپنے منفرد اسلوب اور گہرے فکری پس منظر کے ساتھ ادبی دنیا میں ایک نیا باب کھولا ہے۔ یہ طرزِ اظہار نہ صرف سطحی واقعات کو گہرائی دے کر انہیں آفاقی حقیقتوں سے جوڑتا ہے، بلکہ انسانی نفسیات، سماجی تضادات، اور تہذیبی زوال کو بھی علامتوں کے پردے میں پیش کرتا ہے۔ اردو کے ممتاز افسانہ نگاروں نے علامتوں کو استعمال کرتے ہوئے کہانیوں کو ایک "کثیر الابعاد" شکل دی ہے، جہاں ہر کردار، واقعہ، یا مظہر اپنے ظاہری وجود سے بالاتر ہو کر کسی گہرے فلسفے یا سماجی تناظر کی عکاسی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، انتظار حسین کے افسانے "آخری آدمی" میں "بے نام شہر" کی علامت تہذیبی بے ہویتی اور انسان کی

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تنہائی کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ قرۃ العین حیدر نے "آگ کا دریا" میں دریا کو وقت اور وجود کی روانی کی علامت بنایا۔ اسی طرح، سعادت حسن منٹو کے ہاں "کھول دو" جیسے افسانے میں خاموشی اور اندھیرا استعماری تشدد اور سماجی بے حسی کی علامت بن جاتے ہیں۔ علامتی افسانہ نگاری کی کامیابی کا راز اس بات میں پنہاں ہے کہ یہ قاری کو کہانی کے ساتھ ایک فعال مکالمے پر مجبور کرتی ہے۔ جیسے اشفاق احمد کے "گڈریا" میں بکری کی قربانی محض ایک واقعہ نہیں، بلکہ انسانی ہوس اور معصومیت کے استحصال کی تمثیل ہے۔ اسی طرح، ممتاز مفتی کے "علی پور کا ایلی" میں "ایلی" کی موت صرف ایک سانحہ نہیں، بلکہ معصومیت کے ساتھ سماجی رویوں کے قتل کی علامت ہے۔ ان افسانوں میں علامتیں کبھی قدرتی مظاہر (جیسے بارش، جنگل)، تو کبھی جانوروں یا اشیاء (جیسے پنجرہ، آئینہ) کے ذریعے ظاہر ہوتی ہیں، جو مصنف کے منفرد اسلوب اور تہذیبی شعور کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ علامتیں نہ صرف کہانی کو فنی بلندی عطا کرتی ہیں، بلکہ قاری کے ذہن میں سوالات اور تفکرات کا ایک سلسلہ بھی جنم دیتی ہیں، جو اردو افسانے کو صرف کہانی نہیں، بلکہ ایک "فکری تجربہ" بنا دیتی ہیں۔

منٹو کا افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" اردو ادب میں علامتی افسانے کا ایک زندہ استعارہ ہے۔ پاگل خانے میں قید بشن سنگھ نہ صرف ایک فرد ہے بلکہ ایک ایسی تہذیب، ایک ایسے وجود کی علامت ہے جو تقسیمِ ہند کے بعد شناختی بحران کا شکار ہے۔ "ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے؟" جیسا سوال دراصل اس بے یقینی کی علامت ہے جس نے ہندوستان اور پاکستان کے عوام کو تقسیم کے وقت اپنی گرفت میں لیا۔ پاگل پن، اس کہانی میں ایک علامتی تکنیک کے طور پر کام کرتا ہے، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جن لوگوں نے اس تقسیم کا فیصلہ کیا، وہ عقلی طور پر پاگل ہی تھے۔ کہانی کے آخر میں بشن سنگھ کا کسی سرحد پر نہ گرنا ایک انتہائی مضبوط علامت ہے—یہ زمین کی نہیں، بلکہ تہذیب اور شناخت کی لٹتی ہوئی سرحدوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ افسانہ تاریخ، سیاست، اور انسانیت کے درمیان ایک علامتی مکالمہ ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ "زرد کتا" اردو افسانے میں تہذیبی زوال، بے یقینی اور خوف کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ انتظار حسین نے اس افسانے کے ذریعے ایک ایسے معاشرے کی تصویر کشی کی ہے جو اپنی روحانیت، اقدار اور ثقافتی شناخت کھو چکا ہے۔ زرد کتا یہاں صرف ایک جانور نہیں بلکہ اس اجتماعی بے حسی، داخلی خالی پن اور روحانی بحران کا استعارہ ہے جو جدید تہذیب کا خاصا ہے۔ کہانی میں زرد رنگ خود ایک علامتی رنگ ہے جو بزدلی، بیزاری اور زوال کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ افسانے کا ماحول، کرداروں کا رویہ اور بیانیہ کا انداز ایک ایسی بے چین فضا پیدا کرتا ہے جو قاری کو ایک نامعلوم مگر پراثر علامتی دنیا میں لے جاتا ہے۔ زرد کتے کا تعاقب گویا اُس خوف کا تعاقب ہے جو انسانی وجود کو اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔ یہ افسانہ محض علامتی نہیں، تہذیبی احتجاج بھی ہے۔

احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "پرندہ" انسانی آزادی، جبلّی خواہشات اور سماجی قید و بند کی علامتی عکاسی ہے۔ اس افسانے میں ایک قیدی پرندے کی جدوجہد اور اس کی آزادی کی خواہش محض ایک جانور کی کہانی نہیں، بلکہ انسانی نفسیات کی علامت ہے۔ قیدی پرندہ ان تمام انسانوں کا استعارہ ہے جو کسی نہ کسی جبر، روایت یا نظام کے ہاتھوں قید ہیں۔ کہانی میں پرندے کا پنجرہ محض ایک مادی رکاوٹ نہیں بلکہ وہ تمام سماجی، معاشرتی اور داخلی رکاوٹوں کی نمائندگی کرتا ہے جو انسان کی آزاد پرواز میں حائل ہوتی ہیں۔ جب پرندہ آزاد کیا جاتا ہے تو قاری کو ایک لمحے کے لیے نجات کا احساس ہوتا ہے، مگر اسی لمحے یہ سوال بھی جنم لیتا ہے: کیا انسان بھی پرندے کی طرح نجات پا سکتا ہے؟ افسانے کا یہی علامتی تناظر اسے اردو افسانے کی فکری جمالیات میں ایک بلند مقام عطا کرتا ہے۔ اشفاق احمد کا افسانہ "گڈریا" وہ علامتی افسانہ ہے جس میں انسانی فطرت، امن کی خواہش، اور طبقاتی تضاد کو علامتوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ گڈریا یعنی چرواہا، ایک سادہ لوح اور معصوم انسان ہے جو فطرت کے قریب زندگی گزارتا ہے، اور جنگ، سیاست یا سماجی کشمکش سے نابلد ہے۔ وہ محض اپنے جانوروں، قدرت اور موسیقی میں خوش ہے، لیکن جیسے ہی وہ جدید تمدن سے ٹکراتا ہے، اس کی دنیا اجڑ جاتی ہے۔ یہاں چرواہا انسانیت، محبت اور سکون کا استعارہ ہے، جب کہ جنگی طاقتیں، سیاست اور لالچ اس کی معصومیت پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ افسانے کا انجام نہ صرف ایک فرد کے زوال کی داستان ہے بلکہ پوری انسانیت کے تہذیبی بحران کی علامتی عکاسی ہے۔ "گڈریا" ایک نوحہ ہے ان قدروں کا جو ترقی کی دوڑ میں کچلی جا رہی ہیں۔

انور سجاد کا افسانہ "بھول بھلیاں" انسانی شعور، لاشعور، اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا علامتی اظہار ہے۔ افسانہ دراصل ایک ذہنی سفر کی کہانی ہے جو قاری کو مختلف تہوں سے گزارتا ہے—فکری، جذباتی، اور وجودی۔ یہاں "بھول بھلیاں" صرف ایک جگہ نہیں بلکہ انسانی ذہن کی پیچیدہ ساخت کی علامت ہے۔ کردار اپنے ماضی، یادداشت، خواہشات اور محرومیوں میں اس طرح الجھتا ہے کہ قاری بھی اس بھٹکاؤ میں شریک ہو جاتا ہے۔ یہ علامتی بھول بھلیاں جدید انسان کے اندرونی خلفشار اور اپنی شناخت کی تلاش کا آئینہ ہے۔ افسانے کا اسلوب بھی شعور کی رو اور فلیش بیک جیسی جدید تکنیکوں سے بھرپور ہے، جو علامتیت کو مزید گہرا اور بامعنی بناتی ہیں۔ اس کہانی میں خارجی واقعات کے بجائے داخلی کیفیات اور ان کے مظاہر اصل بیانیہ بنتے ہیں، جو جدید اردو افسانے کا ایک اہم رجحان ہے۔ غلام عباس کا "کتبہ" ایک ایسا علامتی افسانہ ہے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

جو سماجی ناہمواری، طبقاتی تقسیم اور انسانی فراموشی کو موضوع بناتا ہے۔ غلام عباس نے اپنے مخصوص علامتی انداز میں ایک ایسے کتبے کا ذکر کیا ہے جو ایک غیر معروف مقام پر نصب ہے، اور لوگ اس کی تحریر سے بے خبر ہیں۔ کتبہ یہاں صرف ایک پتھر نہیں بلکہ ایک بھولی بسری تاریخ، ایک اجڑا ہوا خواب، اور ایک ایسی تہذیب کا استعارہ ہے جسے معاشرے نے فراموش کر دیا ہے۔ اس افسانے میں گزرے وقت کی بے رحمی، انسان کی بے حسی اور یادداشت کے کھو جانے کا کرب علامتوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ کتبے پر کندہ الفاظ کی معنویت دراصل انسانی تاریخ کی گمشدہ سچائیوں کی علامت ہے۔ غلام عباس نے اس کہانی میں سماج کی اس روش کی عکاسی کی ہے جس میں اقدار اور ماضی کی اہمیت رفتہ رفتہ مٹتی جا رہی ہے۔

انتظار حسین کا "آخری آدمی" علامتی بیانیے کا وہ شاہکار ہے جو تہذیب، زوال اور انسانی وجود کے بقا کے سوالات کو چھیڑتا ہے۔ اس افسانے کا کردار خود ایک علامت ہے—ایسا فرد جو تاریخ کے تمام نشیب و فراز سے گزرا ہے اور اب بھی زندہ ہے، شاید آخری گواہ کی حیثیت سے۔ "آخری آدمی" ان تمام تہذیبوں، معاشروں اور انسانوں کی نمائندگی کرتا ہے جو ظلم، جنگ اور زوال کے باوجود قائم رہے، مگر اب ختم ہونے کے دہانے پر ہیں۔ یہ افسانہ جدید انسانی وجود کی بے یقینی، احساس تنہائی، اور شناخت کے بحران کا عکاس ہے۔ یہاں علامت ایک داخلی تجربے سے جنم لیتی ہے جو قاری کو ایک وقت اور مقام سے ماورا کر دیتی ہے۔ اسی طرح واجدہ تبسم کا افسانہ "ممتحن" ایک ایسا افسانہ ہے جو امتحان، سماجی دباؤ، اور عورت کے وجودی کرب کو علامتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ ممتحن یہاں محض ایک کردار نہیں بلکہ پورے سماج کی طاقتور تنقیدی آنکھ ہے جو عورت کے وجود کو پرکھنے کا اختیار رکھتا ہے۔ افسانے میں عورت کا کردار علامت بن کر ابھرتا ہے—ایک ایسا وجود جو مسلسل آزمائش اور جائزہ کا شکار ہے۔ اس کی خاموشیاں، اس کی حرکات، اور حتیٰ کہ اس کا لباس بھی ایک سوالیہ نشان بنا دیا جاتا ہے۔ یہ افسانہ محض صنفی امتیاز کا نہیں بلکہ وجودی سوالات کا بھی نمائندہ ہے۔ ممتحن کی علامت ان تمام سماجی اداروں کی عکاس ہے جو عورت کو ایک قاعدے، کلیے یا معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں۔ اس علامتی بیانیے میں قاری کو سوچنے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ اصل میں کس کا امتحان لیا جا رہا ہے—عورت کا یا سماج کا؟

مجموعی طور پر اردو افسانے میں علامت نگاری نے بیانیہ کی سطح پر ایک گہری فکری اور جمالیاتی جہت کو جنم دیا ہے۔ بیسویں صدی کے نصفِ آخر سے لے کر آج تک اردو فکشن میں علامتوں کا استعمال محض ایک ادبی تکنیک یا فنی تجربہ نہیں رہا بلکہ یہ انسانی شعور، معاشرتی اقدار، اور باطنی کیفیات کے اظہار کا طاقتور ذریعہ بن چکا ہے۔ افسانہ نگاروں نے اپنے فکری اور تخلیقی تجربات کو علامتوں کے ذریعے اس انداز میں پیش کیا کہ وہ قاری کے ذہن میں دیرپا تاثر چھوڑتی ہیں۔ روایتی بیانیہ، جو واقعات کی ترتیب، کرداروں کے مکالمات اور خارجی دنیا کی عکاسی پر مبنی تھا، علامتی افسانے میں بدل کر داخلی کرب، وجودی سوالات، اور لاشعوری سطح پر کارفرما جذبات کے اظہار کا وسیلہ بن گیا۔ اس علامتی انداز نے کہانی کو نئے معنی دیے اور اسے محض ایک واقعے کی روئیداد سے بلند کر کے فکری سطح پر ایک گہرے مطالعے کا میدان بنا دیا۔ یہ علامتیں اکثر اشیاء، مناظر، کرداروں یا حتیٰ کہ خاموشی، رنگ، یا روشنی کی تبدیلی کے ذریعے پیش کی گئیں، جو ظاہری بیانیے کے پس پردہ ایک دوسرا معنی رکھتی تھیں۔ افسانہ نگاروں نے استعاراتی انداز اپناتے ہوئے قاری کو متحرک کیا کہ وہ ہر علامت کے پیچھے چھپے ہوئے مفہوم کو خود دریافت کرے۔ یہ ایک طرح کی ذہنی مشق بن گئی، جس نے اردو افسانے کو صرف ایک داستان گوئی کے وسیلے سے نکال کر فکری و جمالیاتی مکالمے کا حصہ بنا دیا۔ علامت نگاری نے افسانے کو فکری وسعت عطا کی اور اسے عہد حاضر کے پیچیدہ انسانی مسائل سے ہم آہنگ کیا۔

علامتی افسانے اردو ادب میں صرف انفرادی یا اجتماعی دکھوں کی ترجمانی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے ایک وسیع فکری اور تہذیبی بیانیہ تخلیق کیا ہے جو قاری کو انسانی زندگی کے گہرے اور پیچیدہ پہلوؤں سے روشناس کراتا ہے۔ علامت کے ذریعے نہ صرف کہانی کے اسلوب میں تنوع آیا بلکہ بیانیے میں وہ تہہ داری بھی پیدا ہوئی جو اردو افسانے کو محض سطحی مشاہدے سے نکال کر گہرے فکری مکالمے کی سطح پر لے آئی۔ یہ افسانے اپنی علامتی ساخت کے ذریعے معاشرتی ناانصافی، وجودی اضطراب، سیاسی جبر، اور تہذیبی زوال جیسے موضوعات کو زیادہ موثر طریقے سے بیان کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس علامتی رجحان نے اردو افسانے کے قاری کو بھی ایک فعال شریکِ گفتگو بنا دیا ہے۔ اب کہانی صرف ایک سادہ واقعہ نہ رہی، بلکہ ایک فکری گتھی بن گئی جسے سلجھانے کے لیے قاری کو تخلیق کار کی ذہنی سطح پر آنا پڑتا ہے۔ اس میں نہ صرف مصنف کے شعوری رجحانات کی جھلک ملتی ہے بلکہ قاری کے شعور کو بھی ایک نئے تجربے سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ، افسانہ ایک ایسی تحریر میں بدل جاتا ہے جو وقت، سماج، اور انسان کے باطنی کرب کا گہرا استعارہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو افسانوی ادب کی تنقیدی روایت میں علامت نگاری کو نہ صرف قبول

کیا گیا بلکہ اسے اردو افسانے کی تخلیقی ارتقا کا لازمی جزو سمجھا گیا۔ یہ رجحان محض ایک ادبی اسلوب نہیں بلکہ فکری بیداری، جمالیاتی شعور، اور معاشرتی بصیرت کا مظہر ہے، جو اردو ادب کو جدید عالمی ادب سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

(1) نارنگ، گوپی چند، (2009ء)، "فکشن شعریات، تشکیل و تنقید"، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ص280۔

(2) Chekhov, A. P. (1952). *The selected letters of Anton Chekhov* (K. C. K. Gardner, Trans.). New York, NY: Viking Press. (Original work published 1918). p. 35.

(3) عظیم، وقار، (1982ء)، "نیا افسانہ"، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ص71۔

(4) شمیم احمد، (1964ء)، "طلسم ہوشربا کی علامتی اہمیت"، مشمولہ "نیا دور" کراچی، شمارہ 33۔34، پاکستان کلچرل سوسائٹی، ص309۔

(5) Hemingway, E. (1961). *The art of the short story*. New York, NY: Scribner. p. 80.

(6) عبدالقادر سروری، (1969ء)، کردار اور افسانہ، حیدر آباد، مکتبہ ابراہیمیہ، ص51۔

(7) مظہر الزماں خان (1990ء)، "علامت اور افسانہ"، مشمولہ: شب خون، جلد 22، شمارہ: 158، عقیلہ شاہین پبلشر، آلہ آباد، ص39۔